سوال

(35) حالتِ صغر میں لڑکی کا نکاح

جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ باپ نے اپنی لڑکی کا نکاح حالت صغر میں کردیا۔ آیا یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ اگر صحیح ہوا تو لڑکی کو بعد بلوغ کے فسخ کا اختیار ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاۃ والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (یوسف: ۴۰) ''حکم تو صرف اللہ کا ہے۔''

صورت مسئولہ عنہا بہ نظر دلائل قویہ مفصلہ ذیل کے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نکاح صحیح ہوا اور لڑکی بعد بلوغ کے اس نکاح پر راضی رہی تو تجدیدِ نکاح کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر وہ لڑکی نابالغہ بعد بلوغ کے اس نکاح پر راضی نہ ہو تو اس کو فسخ نکاح کا اختیار ہے۔ صحتِ نکاح نابالغہ کی دلیل اول یہ آیت کریمہ ہے۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ:

وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ... الطلاق ٤

''تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے ناامید ہوگئیں ہوں، اگر تمھیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ان کی بھی جنھیں حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مطلقات کی عدت بیان فرمائی ہے اور انھیں مطلقات میں ان عورتوں کی، جو اب تک حیض والی نہیں ہوئی ہیں بلکہ نابالغہ ہیں، عدت تین مہینہ بیان فرمائی ہے اور انھیں مطلقات میں ان عورتوں کی، جو اب تک حیض والی نہیں ہوئی ہیں بلکہ نابالغہ ہیں، عدت تین مہینہ بیان فرمائی ہے۔ یہ آیت صحت نکاح نابالغہ پر نہایت صاف و واضح دلیل ہے۔

امام الائمہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے:

''باب إنكاح الرجل ولده الصغار، لقوله تعالى: وَالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ۔ فجعل عدتها ثلاثة أشهر قبل البلوغ'' انتهى (صحيح البخاري ۵ ۱۹۷۲)

''کسی شخص کا اپنے چھوٹے بچوں کا نکاح کروانا، اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بموجب: ''اور وہ خواتین جو حیض کی عمر کو نہیں پہنچی ہیں۔'' تو بلوغت سے قبل ان کی عدت تین ماہ ہے۔''

دوسرا استدلال نابالغہ کی صحتِ نکاح پر اس آیت کریمہ سے ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ﴾ ۳ ... النساء

''یعنی اگر تم لوگوں کو یتیم بچیوں سے نکاح کرنے میں یہ خوف ہو کہ ان میں قسط و انصاف نہ کر سکو تو دوسری عورتوں سے کرو جو تمہیں پسند ہوں، دو عورتوں سے، خواہ تین عورتوں سے، خواہ چار سے۔''

اس حکم کے مخاطب وہ اولیاء ہیں جن کی تولیت میں یتیموں کا جان و مال ہو۔ اس آیت کریمہ سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ اگر قسط و عدل کا یقین ہو تو ان اولیاء کو نابالغہ یتیموں سے نکاح کرلینا اور کردینا درست ہے۔ پس باپ کا اپنی نابالغہ کا نکاح کردینا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔

اس آیت میں یہ شبہ کرنا صحیح نہیں ہے کہ الیتٰمیٰ سے مراد وہ یتیم عورتیں ہیں جو اب بالغ ہو چکی ہیں۔ بدو وجہ:

اولاً: اس لیے کہ اولاً شرع میں یتیم کا حقیقتاً اطلاق نابالغ پر ہوتا ہے اور بالغ پر اس کا اطلاق مجازاً ہے۔ پس جب تک معنی حقیقی ممتنع نہ ہو، مجازی معنی نہیں لیا جاسکتا ہے۔

وقال شیخ شیخنا العلامۃ الآلوسی فی تفسیرہ روح المعانی:

''وفی الآیۃ دلیل لجواز نکاح الیتیمۃ، وھی الصغیرۃ، إذ یقتضی جوازہ إلا عند خوف الجور۔'' انتھی (تفسیر روح المعانی ۴ ۱۹۰)

''اس آیت کریمہ میں چھوٹی نابالغ یتیم لڑکی کے نکاح کے جواز کی دلیل ہے، جو اس کے جواز کی مقتضی ہے سوائے ظلم و جور کے وقت۔''

ثانیاً: عام عورتوں سے نکاح کرنے میں عدل نہ ہونے کا خوف ہو تو اس کا حکم اللہ تعالیٰ نے علیحدہ کرکے اسی کے بعد بیان فرمایا ہے بقولہ:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ (النساء: ۳)

''لیکن اگر تمھیں انصاف نہ کرسکنے کا خوف ہو تو ایک ہی کافی ہے یا تمہاری ملکیت کی لونڈی۔''

اس سے معلوم ہوا کہ سابق الذکر حکم صرف ان نابالغہ لڑکیوں کا ہے جن پر شرعاً یتیم کا اطلاق صحیح ہے۔ تیسری دلیل صحت نکاحِ نابالغہ کی یہ ہے، جو صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

''إن النبی ﷺ تزوجھا وھی بنت ست سنین، وأدخلت علیہ، وھی بنت تسع سنین، ومکثت عندھا تسعا''، وفی روایۃ البخاري: ''أن النبی ﷺ خطب عائشۃ إلی أبی بکر فقال لہ أبو بکر: إنما أنا أخوک، فقال: أنت أخی فی دین اللہ وکتابہ، وھی لی حلال'' انتھی (صحیح البخاري، رقم الحدیث (۴۷۹۳، ۴۸۴۰) صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۴۲۲)

''نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تھی، جبکہ ان کی عمر صرف چھے سال کی تھی اور رخصتی اس وقت ہوئی تھی، جبکہ ان کی عمر نو سال کی تھی اور وہ آپ کے پاس نو سال رہیں۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے پیغام نکاح بھیجا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا: میں تو آپ کا بھائی ہوں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ تم میرے دینی بھائی ہو اور یہ میرے لیے حلال ہے۔ ختم شد''

اس روایت سے معلوم ہوا کہ نابالغہ لڑکی کا نکاح اگر باپ کردے تو صحیح ہے۔ اس واقعہ پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکہ معظمہ کا ہے اور صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''أن النبی ﷺ قال: لا تنکح الأیم حتی تستأمر، ولا تنکح البکر حتی تستأذن'' انتھی (صحیح البخاري، رقم الحدیث (۴۸۴۳) صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۴۱۹)

''نبی ﷺ نے فرمایا: ایم کا نکاح اس کے حکم کے بغیر نہیں کیا جائے گا اور کنواری لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بعد ہی کیا جائے گا۔''

اور یہ حدیث مدنی ہے، پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ اجازت لینے کا حکم آنے سے پہلے کی حالت پر محمول ہوگا اور حدیث نہی علی حالہ باقی رہے گی۔ کما ذکرہ الإمام الحافظ ابن حجر فی فتح الباري و تبعہ العلامۃ الشوکانی فی النیل۔ ''جیسا کہ امام حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے اور علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں ان کی اتباع کی ہے۔'' (نیل الأوطار ٦ ١٨٣)

لیکن یہ احتمال مخدوش ہے اور حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے خلاف واقعہ نکاح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عدم صحت نکاح نابالغہ پر استدلال لانا صحیح نہیں ہے۔ بدو وجہ:

اول: یہ کہ اگرچہ نکاح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ معظمہ میں ہوا ہے، لیکن مسئلہ مبحوث عنہا یعنی صحت نکاح نابالغہ کی تائید سورۃ النساء کی آیت: وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا (النساء: ٣) اور سورۃ الطلاق کی آیت وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ (الطلاق: ٤) سے ہوتی ہے اور وہ دونوں سورہ مدنیہ ہیں۔

دوم: یہ کہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں اگر ''لا ینکح'' کا مفہوم عدم صحت نکاح لیا جائے تو کل نکاح بصورت عدم استئمار اور عدم استئذان کے فاسد و باطل ٹھہرے گا۔ حالانکہ احادیث صحیحہ سے چند واقعات ایسے ثابت ہیں کہ عورتوں کا نکاح ان کے اولیاء نے بغیر اذن بلکہ خلاف مرضی ان کے کر دیا تھا، اس کو رسول اللہ ﷺ نے فاسد و باطل نہیں کیا، بلکہ عورت کو اختیار دیا کہ نکاح باقی رکھے یا فسخ کر دے۔

''کما روی أحمد وأبوداود وابن ماجہ والدارقطنی عن ابن عباس أن جاریۃ بکرا أتت النبی ﷺ فذکرت أن أباھا زوجھا، وھی کارھۃ، فخیرھا النبی ﷺ، وھذا الحدیث قوي الإسناد، لیس فیہ علۃ قادحۃ، کما حققتہ فی عون المعبود شرح سنن أبی داود۔ (مسند أحمد ١ ٢٧٣، سنن أبی داود (٢٠٩٦) سنن ابن ماجہ (١٨٧٥) عون المعبود ٦ ٨٧)

وأخرج ابن ماجہ والنسائی وأحمد عن عبداللہ بن بریدۃ عن أبیہ قال: جاءت فتاۃ إلی رسول اللہ ﷺ فقالت: إن أبی زوجنی ابن أخیہ لیرفع بی خسیسہ، قال: فجعل الأمر إلیھا، فقالت: قد أجزت ما صنع أبی، ولکن أردت أن أعلم النساء أن لیس إلی الآباء من الأمر شیء، انتھی۔ وإسناد حدیث ابن ماجہ صحیح، وإسناد النسائی حسن، وقال الشوکانی فی النیل: أخرجہ ابن ماجہ بإسناد رجالہ رجال الصحیح، وقال العلامۃ أحمد بن أبی بکر البوصیری تلمیذ الحافظ ابن حجر فی کتاب زوائد ابن ماجہ علی الکتب الخمسۃ: سندہ صحیح'' (سنن النسائی، رقم الحدیث (٣٢٦٩) سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث (١٨٧٤) نیل الأوطار ٦ ١٨٩)

''مسند احمد، سنن ابوداود، سنن ابن ماجہ اور سنن دار قطنی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دوشیزہ نبی ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ اس کے باپ نے اس کی شادی اس کی مرضی کے خلاف کر دی ہے، تو نبی ﷺ نے اس کو اختیار دیا کہ وہ چاہے تو اس نکاح کو برقرار رکھے اور چاہے تو انکار کر دے۔ یہ حدیث سند کے اعتبار سے قوی ہے، اس میں کوئی علت نہیں ہے، جیسا کہ میں نے سنن ابوداود کی شرح ''عون المعبود'' میں اس کی تحقیق کی ہے۔ نیز سنن ابن ماجہ، نسائی اور احمد نے عبداللہ بن بریدہ سے روایت کی ہے اور انھوں نے اپنے والد سے کہ ایک نوجوان لڑکی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ میرے والد نے میری شادی اپنے بھائی کے لڑکے سے کر دی ہے، تاکہ وہ اپنی پست حالت کو بلند کر سکے۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس لڑکی کو اختیار دے دیا۔ تو لڑکی نے کہا کہ میرے ساتھ میرے باپ نے جو کیا میں اس پر راضی ہوں، مگر میں تو صرف یہ چاہتی تھی کہ خواتین کو یہ بتا دوں کہ ان کے اولیا کو اس بارے میں زور زبردستی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ابن ماجہ کی حدیث کی سند صحیح ہے اور نسائی کی سند حسن ہے۔ شوکانی نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ ابن ماجہ نے اس کی تخریج صحیح کے رجال کے واسطے سے کی ہے۔ علامہ احمد بن ابوبکر بوصیری، جو حافظ ابن حجر کے شاگرد ہیں، نے کتاب ''زوائد ابن ماجہ علی الکتب الخمسۃ'' میں کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔''

ان روایات صحیحہ سے ثابت ہوا کہ صرف عدم استئمار و عدم استئذان مفسد و مبطل نکاح نہیں ہے، بلکہ نکاح صحیح ہو جاتا ہے اور اس کے جواز و فسخ کا اختیار عورت کو ہے۔

چوتھا استدلال صحت نکاح نابالغہ پر اس حدیث سے ہے:

''عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ ﷺ: الثیب أحق بنفسھا من ولیھا، والبکر تستأذن فی نفسھا، وإذنھا صماتھا'' (رواہ مسلم وأصحاب السنن)، (صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٤٢١) سنن أبی داود، رقم الحدیث (٢٠٩٩) سنن النسائی ٣٢٦٤)

''ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ثیب اپنے ولی کے مقابلے میں بذات خود زیادہ حقدار ہے اور باکرہ سے بھی اجازت طلب کی جائے اور اس کی خاموشی اس کی اجازت ہوگی۔'' اس کی روایت مسلم اور اصحاب السنن نے کی ہے۔''

اس حدیث سے ائمہ مالک وشافعی واحمد ولیث وابن ابی لیلیٰ واسحاق بن راہویہ نے اس امر پر احتجاج کیا ہے کہ باپ بغیر اذن حاصل کیے ہوئے لڑکی کا نکاح کر دے سکتا ہے اور یہ احتجاج نہایت صحیح اور قابل تسلیم ہے۔ وإن رده العلامة الشوكاني۔ ''اگرچہ علامہ شوکانی نے اس کی تردید کی ہے۔'' (نیل الأوطار ٦ ١٨٣)

وجہ استدلال یہ ہے کہ ایک حدیث میں یہ وارد ہے:

''ولی کی اجازت کے بغیر نکاح درست نہیں ہے۔'' (سنن أبي داود، رقم الحديث (٢٠٨٥) سنن الترمذي، رقم الحديث (١١٠١) سنن ابن ماجه ١١٨٠)

اور ایک روایت میں یوں ہے:

''أیما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل ... الخ'' (سنن أبي داود، رقم الحديث (٢٠٨٣) سنن الترمذي، رقم الحديث (١١٠٢)، سنن ابن ماجه ١٨٨٠)

''جو کوئی عورت بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے۔''

اور پھر روایت مذکورہ ابن عباس میں یہ لفظ ہے:

''الثيب أحق بنفسها من وليها، والبكر تستأذن في نفسها'' (صحيح مسلم، رقم الحديث (١٤٢١) سنن أبي داود، رقم الحديث (٢٠٩٩)، سنن النسائي ٣٢٦٤)

''ثیب اپنے ولی کے مقابلے میں بذات خود زیادہ حقدار ہے اور باکرہ سے اجازت لی جائے گی۔''

پس ان روایات کو جمع کرنے سے دو بات ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ عورتوں کے نکاح وانکاح میں ولی کو بھی حق حاصل ہے اور عورت کو بھی حق حاصل ہے۔ نہ عورت بغیر اذن و اطلاعِ ولی کے اپنا نکاح آپ کر لینے کی مجاز ہے کہ فتنہ وفساد کا دروازہ کھل جاوے اور نہ ولی کو خلاف مرضی اور اجازت عورت کے نکاح کر دینے کا حق ہے کہ ظلم وتعدی کا راستہ جاری ہو جاوے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ یہ دونوں حق، یعنی عورت کا حق اور ولی کا حق ثیب اور بکر میں یکساں اور مساوی نہیں ہے، بلکہ فرق ہے۔ اور وہ فرق یہ ہے کہ ثیب میں ولی کا حق کم ہے اور خود عورت ثیبہ کا حق زیادہ ہے، یعنی نکاح کا کل معاملہ عورت ثیبہ کے اختیار میں ہے، لیکن ولی کو علم واطلاع ہو جانا ضرور ہے، بخلاف بکر کے کہ اس میں ولی کا حق زیادہ ہے اور عورت بکر کا حق کم ہے، یعنی نکاح کا کل معاملہ ولی کے متعلق ہے، عورت بکر کو صرف علم واطلاع ہو جانا کافی ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ عورت اور اس کے ولی کے منشا میں اختلاف نہ ہو۔ اور بصورت اختلاف ولی کو حق جبر نہیں ہے، نہ ثیب پر، نہ باکرہ پر۔ اور جب باکرہ کے انکاح میں احقیت ولی کو ہے اور اس کا سب معاملہ اس کے ہاتھ میں ہے تو اگر ولی نے عقدِ نکاح بغیر استئذان اس کے کر دیا تو عقد صحیح ہو گیا۔ رہا حکم استئذان اور عورت کو اطلاع اس کی، وہ بعد نکاح کے رخصتی کے یا خلوت کے وقت ہو ہی جاوے گی۔ اس وقت اگر وہ ساکت رہی تو نکاح باقی رہے گا اور اگر انکار کیا تو نکاح فسخ ہو جاوے گا۔ بخلاف ثیب کے کہ اگر اس نے اپنے اختیار سے نکاح کر لیا اور ولی سے اذن نہیں لیا تو رخصتی یا خلوت کے وقت ممکن ہے کہ ولی کو اس کی اطلاع بھی نہ ہوتی، تو اس صورت میں ولی کے اذن کا حکم بالکل مفقود ہو جاوے گا جو انسداد فتنہ کی غرض سے امر ضروری قرار دیا گیا تھا۔

الحاصل ثیب کو اپنے نکاح کے معاملہ میں ولی سے زیادہ حق ہے، مگر ولی کو علم واطلاع ہو جانا ضروری ہے۔ اور باکرہ کے نکاح میں اس کے ولی کو زیادہ حق ہے کہ دیانتاً جس سے نکاح کر دینا لڑکی کے حق میں بہتر سمجھے کر دے۔ اور جب بالغہ باکرہ کے نکاح میں ولی کو زیادہ حق ہے تو نابالغہ کے حق میں ولی کو پورا حق بدرجہ اولیٰ حاصل ہے، مگر یہ ضرور ہے کہ لڑکی اس سے کارہ اور ناخوش نہ ہو اور کراہت وناخوشی کا اعتبار لڑکی کو شعور وعلم واطلاع ہونے کے وقت سے ہے۔ اگر لڑکی وقت نکاح کے بالغہ ہے اور اس وقت اس کو علم واطلاع بھی ہوئی

تواسی وقت کی ناراضی وکراہت اس کی قابل اعتبار وسبب فسخ نکاح ہوگی۔ اور وقت نکاح اگر وہ نابالغہ ہے تو جب وہ بالغ ہو اور اس کو شعور ہو اور نکاح پر مطلع ہو، اس وقت اس کو اختیار ہوگا کہ نکاح باقی رکھے یا فسخ کردے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت مذکورہ بالا: ((لا تنکح الأیم حتی تستأمر، ولا تنکح البکر حتی تستأذن)) سے اگر یہ شبہ کیا جائے کہ بغیر اذن بکر کے اس کا نکاح صحیح نہیں ہوتا ہے اور نابالغہ میں صلاحیت اذن کی نہیں ہے، اس لیے تاوقت بلوغ اس کا نکاح کردینا درست نہیں ہے تو یہ شبہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ بہت سے واقعات احادیث سے ایسے ثابت ہیں کہ عورت کا نکاح بغیر اذن بلکہ خلاف مرضی اس کے ولی نے کردیا اور اس نکاح کو رسول اللہ ﷺ نے باطل نہیں فرمایا، بلکہ عورت کو نکاح رکھنے اور فسخ کرنے کا اختیار دے دیا۔ کما مر

پس مطلب حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا جو آیت قرآن وجملہ روایات کے ملانے سے ظاہر ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ بقائے نکاح اور اس کا نفاذ بغیر امر ایم کے اور بغیر اذن بکر کے نہیں ہوسکتا ہے۔ تو اگر کسی باکرہ کا نکاح اس کے ولی نے اپنی مرضی سے کسی کے ساتھ کردیا اور وقت عقد کے لڑکی کو اس کی اطلاع نہ ہوئی یا اس سے اجازت نہیں لیا تو وہ عقد صحیح ہوگیا، لیکن اس کے باقی رکھنے اور فسخ کرنے کا اختیار لڑکی کو حاصل ہے۔

پس جب بالغہ باکرہ کا نکاح بغیر اس کے اذن واطلاع کے ولی کردے اور شرعاً وہ نکاح باطل وفاسد نہیں ہوتا ہے تو نابالغہ کا نکاح ولی کے کردینے سے بدرجہ اولی فاسد وباطل نہیں ہوگا۔ البتہ بعد بلوغ وعلم نکاح کے فسخ کا اختیار لڑکی کو ہے۔ کما ھو مذھب جماعة من الأئمة، وھو القوي من حیث الدلیل، واللہ أعلم بالصواب۔ ''جیسا کہ یہ ائمہ کی ایک جماعت کا مذہب ہے اور دلیل کے اعتبار سے یہی قوی ہے۔''

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

مجموعہ مقالات، وفتاویٰ

صفحہ نمبر 198

محدث فتویٰ